سیّدنا ابوسفیانؓ

مولانا سراج الحق مچھلی شہری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحیح حدیث مروی ہے "اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ" الخ ترجمہ پوری حدیث کا یہ ہے۔ ڈرا اللہ تعالیٰ کی ناخوشی سے ڈرتے رہنا ڈرتے رہنا میرے صحابہ کے بارے میں۔ دیکھو میرے بعد کہیں ان کو (کسی معاملہ میں) نشانۂ ملامت نہ بنانے لگنا۔ جو شخص میرے صحابہ سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھے گا (وجعلنا اللہ منھم) اور جو شخص میرے صحابہ سے بغض ونفرت کرے گا تو وہ میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھے گا (واعاذنا اللہ منھم) اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے گویا خود مجھے ایذا دی (اعاذنا اللہ منہ) ترمذی مختصراً۔

اس ارشاد نبوی میں تین لفظ خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ ایک[1] مِنْ بَعْدِی (میرے بعد) دوسرے[2] بِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ (جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی) اور تیسرے[3] مَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ (جس نے ان کو ایذا دی اس نے یقیناً مجھے ایذا دی)

چونکہ حضورؐ دیکھ رہے تھے کہ ارشادات قرآنی کے اولین مخاطب۔ میری رسالت ونبوت کے پہلے ا ہد اور گواہ۔ قرآن پاک کے پہلے حامل اور حامل یہی صحابہ ہیں اس لئے حضورؐ کو منظور یہ ہوا (اور خدا کی مرضی ں یہی تھی) کہ صحابہ کی عزت اور حرمت زیادہ سے زیادہ محفوظ اور ان کی عظمت اُمت میں بیش از بیش لحوظ ہے کیونکہ خود میری عزت اور حرمت اور میری عظمت بھی اسی طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ حضورؐ کو گوارا نہ ہوا کہ میری ت پر یا قرآن پاک پر کوئی حرف آئے اس لئے حضورؐ نے اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے چاہا کہ صحابہ کی محترم میتوں پر کسی قسم کا حرف نہ آنے پائے، پس آپ نے نہایت تاکید واہتمام سے مختلف عنوانات سے ان کے م کا حکم فرمایا، چنانچہ یہیں اگرچہ بجائے خبر یہ ارشاد ہو رہا ہے لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ مقصود انشا وحکم ہے

ان سے محبت کا۔

(۱) مِنْ بَعْدِیْ فرماکر تو حضورؐ اپنا یہ اندیشہ ظاہر فرمانا چاہتے ہیں کہ میری حیات اور موجودگی میں تو میرا لحاظ کر کے مخلص اور منافق دونوں ہی قسم کے لوگ صحابہؓ کے ساتھ بھی ضرور محبت کریں گے اور اگر بالفرض کسی کو ان سے کوئی رنجش ہوگی تو میں اسکی اصلاح کر دیا کروں گا اور پھر صلح و اصلاح کے بعد میری موجودگی کا لحاظ کر کے سب باہم محبت ہی سے رہیں گے۔ غرض میری موجودگی میں سب کو تعلق در اصل مجھ سے ہوگا اس لئے اس کا تو وہم و گمان بھی نہیں کہ میری حیات میں کوئی شخص میرے صحابہؓ کے اکرام کے خلاف کوئی قول۔ کوئی فعل۔ کوئی عمل کرے گا۔ البتہ جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا تب اس کا اندیشہ زیادہ ہے کہ ان کے احترام میں کمی ہونے لگے کیونکہ میری ذات کے موجود نہ رہ جانے کی وجہ سے سب کی توجہ براہ راست ایک دوسرے کی طرف ہونے لگے گی اور شیرازہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے سب منتشر اوراق کی مانند ہو جائیں گے، اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو یا دوسرے لوگ ان کو عام انسان سمجھ کر ان سے عام لوگوں کی طرح معاملہ کرنے لگیں اور ان کی صحابیت فراموش ہونے لگے، اس لئے آپ نے متنبہ فرمایا کہ میرے بعد بھی ان کا پورا اکرام کرتے رہنا۔ بقول شاعر:

ع : جب میں جاؤں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

(۲) فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ فرماکر حضورؐ نے در اصل صحابہؓ کا درجہ بیان فرمایا ہے یعنی اس ارشاد کے دو پہلو ہیں ایک کی تعبیر تو بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ "بِسَبَبِ حُبِّیْ اِیَّاهُمْ اَحَبَّهُمْ" یعنی اس مسلمان نے ان سے اس وجہ سے محبت کی ہے کہ خود مجھے ان صحابہؓ سے محبت ہے"۔ اس میں محبت کی نسبت فاعلی حضورؐ کی جانب اور نسبت مفعولی صحابہ کی جانب ہے اور حضورؐ صحابہؓ کو اپنا محبوب فرما رہے ہیں، اس صورت میں یہ مضمون گویا اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ کا ہم مضمون ہوگا۔ اور دوسرے پہلو کی تعبیر ان الفاظ میں سمجھئے کہ "بِسَبَبِ حُبِّهٖ اِیَّایَ اَحَبَّهُمْ" یعنی اس مسلمان نے میرے صحابہؓ سے اس وجہ سے محبت کی کہ اُسے مجھ سے محبت ہے تو میرے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی محبت ہونی ہی چاہئے بقول شاعر ع : وَمِنْ مَذْهَبِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَهْلِهَا۔ اس صورت میں حضورؐ گویا اپنی محبت کا واسطہ دے کر ان سے محبت رکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

(۳) تیسرا لفظ "مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ" فرماکر حضورؐ نے انتہائی اختصاص کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ سیدہ زہرا بتول رضی اللہ عنہا جو آپ کی جگر گوشہ تھیں جن سے حضورؐ کو طبعی محبت بھی بغایت تھی ایک موقع پر حضورؐ نے ان کی ایذا کو اپنی ایذا کے برابر فرمایا تھا "یَرِیْبُنِیْ مَا رَابَهَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا آذَاهَا" (بخاری)

اسی طرح آپ نے سیدنا عباسؓ کے بارہ میں فرمایا: "مَنْ آذَىٰ عَمِّيْ فَقَدْ آذَانِيْ" "جس نے میرے چچا کو ستایا اس نے گویا مجھے ستایا۔ غرض جس طرح حضورؐ نے خونی قرابت اور عزیزداری رکھنے والوں کی ایذا کو اپنی ایذا کے برابر بتایا ٹھیک اُسی طرح دینی رشتے (شرع و دین) سے یگانگی رکھنے والے صحابہؓ کی ایذا کو بھی حضورؐ نے اپنی ایذا کے برابر بتایا ہے۔

غرض اس اہتمام سے اکرام صحابہؓ کی ترغیب دینے سے میری سمجھ میں دو باتیں یہ آئی ہیں کہ:۔

(۱) اس اہتمام سے حضورؐ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ سے جو محبت رکھی جائے وہ ایسی ہونی چاہیے جس میں حضورؐ کی محبت واسطہ بنے اور حضورؐ کی محبت اس کی محرک و باعث ہو یعنی صحابیت کو اولیت تقدم کا درجہ دیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی نے کسی ایسے صحابی سے محبت رکھی جن میں خود ذاتی خوبی، شخصی کمال، نسبی کرامت، شجاعت، غنا، تقدم اسلام، ہجرت، شرکت جہاد وغیرہ کی حیثیتیں خود ہی محبت کا تقاضا کرتی ہوں مثلاً سیدنا ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰ، ابن عوف، حمزہ، حسین وغیرہم رضی اللہ عنہم تو یہ محبت تو طبعی اور ذوقی محبت بھی ہوگی گو یہ بھی فی نفسہ ایک فضیلت ہے مگر یہ محبت اس حکم نبوی کے امتثال و تعمیل میں نہ ہوگی بلکہ ایسی طبعی اور ذوقی محبت کا تو حکم دینے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ پس اس حکم کا اقتضا سوا اس کے کچھ نہیں کہ حضورؐ کا منشا یہ ہے کہ بالفرض میرے کسی صحابی سے قبل اسلام یا بعد اسلام کوئی واقعہ ایسا ہو بھی گیا ہو جس سے کسی مسلمان کے قلب میں ان کے لئے جگہ نکلتی نہ معلوم ہوتی ہو تب بھی اُسے میرا خیال کر کے اُن سے محبت کرنی چاہیے کیونکہ انھوں نے میری دعوت پر کفر چھوڑ کر اسلام اختیار کیا۔ نورِ محبت اور نورِ ایمان کے ساتھ مجھے دیکھا اور میرے ساتھ رنج و راحت۔ میدان جہاد اور اطاعت میں شریک رہے، طبیعت کے موافق اور مخالف احکام کو مانا اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے۔ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی، دُکھ جھیلے، جانیں دیں، نورِ اسلام پھیلایا۔ پس اس حکم محبت کا تو منشا پورا ہوتا ہے، دراصل سیدنا ابوسفیان، معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت کرنے سے۔ اگر کسی مسلمان نے ابوبکر و علی رضی اللہ عنہم سے محبت کی تو کون سا بڑا کمال کیا کیونکہ ان کے جوہر ذاتی اور کمالات دینی و روحانی۔ فضائل اخلاقی و عقلی کی طرف اپنے تو اپنے غیر و بیگانہ بھی جھکتے ہیں اور ان کی تحسین کرنے پر مجبور رہیں البتہ وہ صحابہؓ جن کو دشمنان دین نے طرح طرح سے ایسا بدنام کر دیا کہ آج بہت سے مسلمانوں کے دلوں سے ان حضرات کی عظمت و حرمت کو آپ کم یا گم پائیں گے۔

ان مظلوم صحابہؓ سے صرف رسول کی محبت کے ناطے محبت کرنا البتہ اس مبارک ارشاد کے تقاضوں کا کرنا ہے۔

کسی صحابی کے قبل از اسلام حالات کے بیان کرنے میں بھی لازم ہے کہ ان کی صحابیت اور شرف برابر ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی اگر کسی مؤرخ کو آج ضرورت ہے کہ وہ مثلاً حضرت ابوسفیان کے قبل اسلام واقعات لکھے تو ان الفاظ میں کہ۔ "اس نے ایسا کیا۔ اس نے کہا۔ وہ یہ چاہتا تھا" ہرگز ہرگز نہ لکھنا چاہیئے۔ اس کو دوسری مثال سے سمجھئے اگر مان لیجئے آج کوئی مسلمان مکہ کے ابوجہل کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے تو غور فرمایئے کہ وہ ابوجہل جیسے کسی کافر کے لئے کیا طرز اختیار کریگا؟ وہ یہی تو لکھے گا کہ "ابوجہل یہ چاہتا تھا ابولہب وہاں گیا"۔ تو آخر آپ نے ایک صحابی کا حال لکھنے میں ارشاد رسول کا کیا حق ادا کیا؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ذکر قبل اسلام میں (جبکہ حضرت ابوسفیان کا خاتمہ یقینی طور پر اسلام پر ہوا) اور ابوجہل کے حالات میں (جب کہ اس کا خاتمہ یقینی طور کفر پر ہوا) آپ نے کیا فرق رکھا؟ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ۔

اس ضروری تمہید کے بعد اب ہم سیدنا ابوسفیان کے حالات درج کرتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی ان کی عزت و عظمت سے تو درکنار خود ان کے حالات سے بھی واقف نہ ہوں گے۔

آپ کا نام و نسب حضرت ابوسفیانؓ کا نام نامی صخرؓ تھا اور کنیت ابوسفیان تھی۔ مگر صخرؓ زیادہ مشہور نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نام کے سلسلہ میں بعض اہل علم نے بھی غلطی کی ہے۔ ان کے والد کا نام حرب اور دادا کا نام امیّہ تھا جو صلہ رحمی اور بہادر ہونے کے باعث اموی خاندان کے مورث اعلیٰ بنے۔ آپ کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں چوتھی پشت میں جا کر مل جاتا ہے، نسب نامہ یوں ہے:۔

۱۔ حضرت سرور کائنات مفخر موجودات سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن خواجہ عبداللہ[۱] ابن خواجہ شیبہ[۲] (عبدالمطلب) ابن خواجہ ہاشم[۳]، ابن عبدمناف

۲۔ سیدنا ابوسفیان صخر رضی اللہ عنہ، ابن حرب[۱]، ابن امیہ[۲]، ابن عبدشمس[۳]، ابن عبدمناف[۴]

مکہ میں قریش کے چند گھرانے بہت ممتاز اور مشہور تھے۔ ان میں سب سے زیادہ شریف و مشہور معزز اور مقدس گھرانہ بنوہاشم کا تھا کیونکہ اہل مکہ بلکہ پورے عرب کی دینی سیادت یعنی کعبہ کی حجابت و سقایت

انھیں میں تھی، ان کے بعد دوسرا معزز گھرانہ بنو امیہ کا تھا کیونکہ اہل مکہ کی دنیاوی سیادت اور فوجی قیادت انھیں میں تھی۔ بنو اسد اور بنو مخزوم وغیرہ گھرانے ان کے بعد تھے، کیونکہ ان گھرانوں میں جو قومی مناصب تھے مثل سفارت، خطابت وغیرہ ان کی اہمیت قوم میں اتنی زیادہ نہ تھی۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں قرابتیں بھی باہم زیادہ ہوتی تھیں۔

حضرت ابوسفیان صخر اسی بنو امیہ کے گھرانہ سے تھے۔ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دس برس بڑے تھے، یہ قریش کے معززین و اشراف میں تھے۔ بہادر، سمجھدار، خوش خلق تھے قوم نے ان کو بالاتفاق سپہ سالار لشکر بنا دیا۔ حضورؐ میں اور ان میں اعلان نبوت سے قبل باہم ویسی ہی محبت تھی جیسی عموماً قریبی رشتہ داروں میں ہوا کرتی ہے۔ اعلان نبوت کے بعد بھی ان کو اور ان کے صاحبزادے سیدنا معاویہؓ کو حضورؐ سے یا اسلام سے ذاتی طور پر کوئی غصہ، کد، کدورت وغیرہ نہ تھی، پوری قوم کو جو مخالفت حضورؐ سے تھی اس میں تو حضرت صخر نے ضرور قوم کا ساتھ دیا اور من حیث القوم حضرتؐ سے جنگ بھی کی مگر اس وقت بھی انھوں نے کوئی ایذا حضورؐ کو نہیں پہنچائی۔ اوقات جنگ میں ضرور حضورؐ سے لڑے مگر جیسی ایذا و شرارت کی حرکات ابوجہل مخزومی اور ابولہب ہاشمی سے ظاہر ہوئیں کہ کبھی حضورؐ کی پشت مبارک پر بحالت سجدہ، اونٹ کی جھوجھ رکھ دی، کبھی حضورؐ کی چادر گھسیٹی جس کے نشانات گردن مبارک پر ظاہر ہوئے، کبھی حضورؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے، ایسی کوئی حرکت کسی تاریخ میں حضرت صخر کی طرف سے منقول نہیں۔ حضرت صخر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اوقات جنگ کے علاوہ برابر حضورؐ کے ساتھ میل ملاپ۔ رشتہ داری کے لحاظ، آدمیت کے پاس اور شرف آبا کے موافق برتاؤ کرتے تھے۔

قبل اسلام اگرچہ کچھ بد دینوں نے آپ کو بہت بدنام کیا ہے اور آپ کے متعلق کچھ غلط باتیں دینی اور تاریخی کتابوں میں شامل کر دی ہیں، مگر آپ کے حسب ذیل واقعات اب بھی کتب سیر و رجال میں ملتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے حسن تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) اعلان نبوت کے بعد جب کفار مکہ حضورؐ کو بہت ستانے لگتے تو آپ ان کے ہجوم اور شر سے بچنے کے لئے بعض وقت گھبرا کر انھیں حضرت صخر کے مکان میں چلے جاتے، وہ مکہ کے معززین میں ہونے کے علاوہ فوج کے سپہ سالار بھی تھے، اہل مکہ پر ان کا ایک رعب تھا۔ ان کے گھر میں داخل ہوتے ہی شر پسندوں کی ایذا سے حضورؐ کو امن مل جاتا۔ گو وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر شرف نسب اور کرم طبع کی یہ خصلت ان میں

یہ بڑا نام تھی کہ اگر عام دشمن بھی کسی پریشانی میں کسی وقت ہمارے گھر آکر پناہ لینا چاہے تو اس کو امن و راحت دی جائے اور اس کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اُسے خطرہ سے بچایا جائے اس وقت اُسے ستانے کو شرافت کے خلاف جانتے۔ یہ تو عام دشمن کے ساتھ برتاؤ ہوتا اور حضورؐ جیسے عزیز قریب (گو مسلک میں مخالف) کیساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ان کا تھا بلکہ ان کے گھر میں حضورؐ کے پناہ لینے کے وقت ان کے پورے گھرانے ہی کا برتاؤ صلہ رحمی کا تھا۔ چونکہ حضرت صخرؓ نے حضورؐ کے ساتھ خوش خلقی اور صلہ رحمی اس وقت کی جب کہ میں حضورؐ پریشان تھے، اسی لئے حضورؐ نے بھی آٹھ دس برس بعد موقع ملنے پر ان کی اس نیکی کی قدردانی کی اور فتح مکہ کے وقت یہ اعلان فرمادیا کہ جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے لے گا اُسے بھی امان ملے گی (مفصل قصہ آگے آرہا ہے) (اصابہ ذکر صخر)

(۲) حضورؐ نے مدینہ کے قیام کے زمانہ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ذریعہ کچھ عجوہ کھجور حضرت صخر کے پاس ہدیۃً بھیجی تو انھوں نے بھی جواب میں کوئی چیز (جس کو حدیث میں ادم کہا گیا ہے) حضورؐ کے پاس ہدیۃً بھیجی بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ حضورؐ ہی نے فرمائش کر کے ان سے ادم منگوائی تھی (منتقیٰ از حافظ ذہبی، حاشیہ ۲ صفحہ ۲۵)

(۳) حضورؐ نے مدینہ میں سُنا کہ مکہ میں قحط اور تنگی ہے تو حضورؐ نے کئی سو دینار کسی کے ذریعہ حضرت صخر کے پاس بھیجے کہ یہ رقم مکہ کے اہل حاجت میں تقسیم کردیں۔ حضرت صخر ابوسفیان نے رقم لے تو لی مگر ہنس کر کہ اچھا اب یہ محمد ہمارے نوجوانوں کو شاید خریدنا چاہتے ہیں (حضورؐ نے یہ رقم ابوسفیان ہی کے پاس بھیجی تو اس سے خاص تعلق اور خصوصی قرابت ظاہر ہوتی ہے)

(۴) سنہ ھ میں حضورؐ نے حضرت ابوسفیان صخرؓ سے (یا تو بذریعہ قاصد مکہ میں کہلایا۔ یا شاید کسی سفر میں صخر خود مدینہ گئے ہوں جب خود) کہا کہ تمہاری لڑکی ام حبیبہ رملہ بیوہ ہوگئی ہیں۔ میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تم بھی اجازت دیدو تو بہتر ہے انھوں نے اجازت دیدی چونکہ سیدہ رملہ اس وقت حبش میں تھیں۔ حضورؐ نے حبش کے نواب نجاشی کے پاس جو مسلمان ہوگئے تھے انھیں صحابی عمرو بن امیہ ضمری کے ذریعہ کہلایا کہ میں تم کو اپنا وکیل بناتا ہوں کہ تم رملہ بنت ابی سفیان کی عدت گزرنے کے بعد ان سے میرے نکاح کا پیام دو، اگر وہ راضی ہوں تو تم وہیں ان سے میرا عقد نکاح کردو۔ نجاشی نے بی بی رملہ کی عدت گزرتے ہی ایک کنیز سیدہ رملہ کے پاس بھیجی اور حضورؐ کا پیام نکاح ان کو دیا۔ وہ پہلے ہی خواب دیکھ چکی تھیں کہ کسی شخص ان کو "ام المومنین" کہہ کر پکارا ہے، اب نجاشی کی کنیز کی زبانی یہ پیام سُن کر سمجھ گئیں کہ خواب کی تعبیر یہی ہے انھوں نے قبول کرلیا تو کنیز نے ...

ت یہ کہی کہ تم بھی کسی کو اپنی طرف سے اپنے نکاح کا وکیل بنا دو جو تمہارا نکاح حضورؐ کے ساتھ کر دیں انھوں نے خالد بن سعید جو حبشہ کو اپنا وکیل بنا دیا۔ نجاشی نے محفل نکاح ترتیب دی اور حضورؐ کے چچیرے بھائی جعفر بن ابی طالب سے جو حبش میں ہجرت کر کے مقیم تھے کہا کہ خطبۂ نکاح تم پڑھو، چنانچہ حضرت جعفر نے خطبہ پڑھ کر نجاشی وکیل آنحضرتؐ اور حضرت سعید وکیل سیدہ رملہ کی موجودگی میں عقد نکاح باندھ دیا۔ نجاشی نے حضورؐ کا وکیل اور نائب بن کر سیدہ رملہ کا مہر چار سو اشرفی خود تجویز کیا اور اسی مجلس میں حضورؐ کی طرف سے خود ادا بھی کر دیا۔

اس نکاح کی خوشی میں سیدہ رملہ نے چاندی کے دو کنگن نجاشی کی اس کنیز کو دے ڈالے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک دوسرے صحابی حضرت شرجیل بن حسنہ کو بھیجا کہ ام المومنین رملہ رضی اللہ عنہا کو حبشہ سے مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابوسفیان صخر کو جب نکاح کی اطلاع ملی تو انھوں نے حضورؐ کی ثنا و تحسین ہی کی۔ (منتقی طبع مصر، ص۲۵۴ حاشیہ)

(فائدہ) اوّل چونکہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو حضورؐ نے کئی بار کئی موقعوں پر حضرت ابوسفیان صخر کے پاس مختلف کاموں سے بھیجا تو کچھ بددین جو بنو امیہؓ کی اور ابوسفیانؓ کی بدگوئی کرنا چاہتے ہیں اور اسی بدگوئی کی نیت سے امیر حمزہ کی جھوٹی کہانیوں میں ان کو انھوں نے معاذ اللہ عیار، مکار، لالچی وغیرہ لکھا ہے یہ صریح مخالفت ہے حکم لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا کی۔

دوم۔ مہر عورت کا حق ہے اور لڑکی والے ہی اسے مقرر کرتے ہیں۔ سیدہ رملہ کا مہر بھی حضرت خالد نے کچھ کہا ہوگا مگر حضورؐ کے اس نکاح میں نجاشی نے جو نائب بن کر چار سو اشرفی مہر مقرر کیا، اسکی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ مرد کو حق ہے کہ مقررہ مہر سے بڑھا کر اپنی خوشی سے زیادہ رقم ادا کر دے۔ نجاشی چونکہ نواب تھے اس لئے انھوں نے نیابت میں خود اپنی ریاست کی بھی رعایت کی اور رئیسوں کا سا مہر بخوشی بڑھا کر ادا کیا۔ آیت قرآنی وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ میں اس حُسن خلق کی تعلیم ہے۔

(۵) ان کا اسلام لانا (جس کا مفصل بیان آگے آ رہا ہے) بھی حضورؐ ہی کی ایک دعا کی برکت سے تھا۔ امام سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضورؐ کی بعثت کے اوائل میں ایک دن ابوجہل نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک تھپڑ مار دیا تھا، انھوں نے اس کی شکایت جا کر حضورؐ سے کی، آپ نے فرمایا بیٹی جاؤ اور ابوسفیان سے اس کا تذکرہ کرو۔ انھوں نے جا کر ابوسفیان سے کہا۔ انھوں نے سیدہ فاطمہؓ کا ہاتھ پکڑا (کیونکہ بہت چھوٹی تھیں) اور

نے کر وہاں پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا اور کہا کہ بیٹی تم بھی اس کے منہ پر تھپڑ مارو، جیسے اس نے تمھیں مارا تھا (اور اگر یہ کچھ بولے گا تو میں اس سے نپٹ لوں گا) انھوں نے ابوجہل کو تھپڑ مارا۔ اس کے بعد انھوں نے آکر یہ سارا واقعہ حضورؐ سے بیان کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی "اللّٰھم لاتنساھا لابی سفیان" (اے میرے اللہ! ابوسفیان کے اس نیک سلوک کو بھولے گا نہیں) ابوسفیانؓ کا ایمان لانا حضور کی دعا ہی کی وجہ سے تھا۔

(دیکھو سیرت نبویہ سید احمد زینی دحلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ، جلد ۲، ص۲۰۶ طبع مصر)

(۶) صلح حدیبیہ کے بعد (سنہ ۶ھ) میں بُصریٰ کے سردار کے پاس حضورؐ نے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا جو ہرقل شاہ روم کے نام تھا اُس نے وہ فرمان نبوی ہرقل شاہ روم کی خدمت میں پیش کیا اس نے جب فرمان پڑھا تو اہل دربار سے اہل عرب کے متعلق دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ مکہ کے قریشیوں کا ایک قافلہ تجارت کے لئے آیا ہوا ہے، اُس نے ان لوگوں کو بُلوایا اور پوچھا کہ عرب کے ان رسول کا سب سے قریبی رشتہ دار تم میں سے کون ہے، ابوسفیان صخر بولے کہ میں ان کا چچیرا بھائی ہوں، اس کے بعد اُس نے اُن سے چند سوالات کیے اور جوابات پانے کے بعد ہرقل نے اپنے سوالات کی حکمت بتائی اور کہا کہ "جو باتیں تم نے بتائی ہیں اگر وہ سب سچ ہیں تو ان کا قبضہ ایک نہ ایک دن اس جگہ تک ہو کر رہے گا جہاں یہ میرے دونوں قدم ہیں"۔ یہ سُننا تھا کہ دربار کے لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا (ان کو محسوس یہ ہوا کہ شاید ہرقل بھی مسلمان ہو گیا یا ہونے والا ہے) تو ہرقل نے ان مکہ والوں کو دربار سے رخصت کر دیا۔ جب ابوسفیان وہاں سے باہر آئے تو انھوں نے ساتھیوں سے کہا۔ خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

"لقد أمر أمرُ ابن أبي كبشة انه	ارے! ابی کبشہ (شوہر بی بی حلیمہ) کے بیٹے
يخافه ملك بني الأصفر. فما	(حضورؐ) کا معاملہ اب اس حد تک پہنچ گیا کہ رومی
زلت موقناً انه سيظهر حتى	گوروں کا بادشاہ ہرقل بھی ان سے ڈرنے لگا!
ادخل الله علىّ الاسلام"	بس اُسی دن سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ غلبہ ان کا

ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام داخل فرمادیا۔ (بخاری باب بدء الوحی)

یعنی مجھے ان کے غلبہ کا یقین ہو گیا اور اسی یقین کا نتیجہ تھا کہ میں اسلام لایا۔ دعاء نبوی کے بعد ان کا:

یقینی ان کے اسلام لانے کی طرف پہلا قدم تھا۔

ان کا اسلام لانا | حضورؐ نے جب ۸ھ میں مکہ پر چڑھائی کی تو مکہ کے قریب پہنچ کر ایک مقام مرّ الظہران میں رات گزارنے کے لئے پڑاؤ کیا۔ ابوسفیان کو مکہ میں اسکی اطلاع ملی تو وہ ایک ساتھیوں کے ساتھ جاسوسی کے لئے اسلامی فوج میں چھپے چھپے پہنچے۔ فوج کی شان دیکھ کر سناٹے میں آگئے۔ دُور دُور تک دس ہزار مجاہدوں کا لشکر اُترا پڑا تھا۔ ہر قبیلہ کے خیمے الگ، ہر پلٹن اور قبیلہ کا جھنڈا الگ، لوگ ہر طرف پھیلے ہوئے، ذکر نماز تلاوت میں یا کھانے پینے کی ضرورتوں یا فوجی تیاریوں میں مشغول نظر آئے۔ جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ ابوسفیان ابھی اس منظر کے دیکھنے اور تعجب کرنے ہی میں لگے تھے کہ بعض مجاہدین نے ان کو پہچان لیا۔ ان سے تو وہ کچھ نہیں بولے، دَوڑتے ہوئے سیدھے حضورؐ کے پاس پہنچے کہ حضورؐ سے اجازت مل جائے تو ان کو یہیں ٹھکانے لگا دیں۔ اُدھر قدرت کا انتظام سُنئے اسی وقت ان کو حضرت عباسؓ نے بھی دیکھ لیا ابوسفیانؓ اور حضرت عباسؓ دونوں میں بہت دوستی تھی، حضرت عباسؓ خچر پر سوار تھے۔ تیزی سے ان کے پاس آئے اور ان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھا کر تیزی سے حضورؐ کے خیمہ کی طرف دوڑے، انھیں خطرہ ہوا کہ کہیں کوئی مسلمان غصہ میں آکر ان کو قتل نہ کردے یا کوئی دوسرا حضورؐ کے پاس مجھ سے قبل نہ پہنچ جائے۔ خیمہ کے پاس پہنچ کر ان کو باہر چھوڑا، خود اندر گئے تو دیکھا ایک دوسرے صحابی عمرؓ پہلے سے پہنچکر حضورؐ سے ابوسفیان کی جاسوسی کا ذکر کرکے ان کے قتل کی اجازت مانگ رہی رہے تھے کہ حضرت عباسؓ نے جلدی سے عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے ان کو اپنی پناہ میں لیا ہے اور انھیں اپنے ساتھ لایا ہوں، باہر کھڑے ہیں اجازت ہو تو بلاؤں"۔ فرمایا بلاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے اُن سے فرمایا:

"ابوسفیان! کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسری ذات اس قابل ہے ہی نہیں کہ انسان (اشرف المخلوقات ہوکر) اسکی غلامی یا اُسے سجدہ کرے"؟

یہ سُن کر ابوسفیان صخر بولے "واقعی آپ بڑے حلیم اور نیک ہیں (کہ مجھے آپ نے سزا دینے کی بجائے تبلیغ و نصیحت فرمائی)، واقعی اگر کوئی ذات قابل پرستش ہوتی تو اس وقت میری مدد کرتی (مطلب یہ ہوا کہ خدا کے سوا کوئی ذات معبود بننے کے قابل نہیں) جب حضورؐ نے اُن سے یہ اقرار توحید سُن لیا (جو اسلام کی طرف ان کا دوسرا قدم تھا) تو فرمایا:۔

"اور کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم مجھے حق تعالیٰ کا رسول مانو"؟

حضرت ابوسفیان نے جواب میں پھر کہا :

" واقعی آپ بڑے حلیم ہیں ۔ مگر آپ پر میرے ماں باپ قربان ! ابھی اس معاملہ (رسالت) میں میرے دل میں کچھ شک باقی ہے "۔

یہ سیدنا ابوسفیان کی انتہائی دیانت اور سچائی تھی کہ جو بات دل میں تھی اُسے صاف کہہ دیا۔ بہرحال یہ سن کر حضور سمجھ گئے، ابھی میری اطاعت سے اور تسلیم رسالت سے ان کو انکار ہے۔ سپہ سالار اور سردار قریش ہونے کا غرور اور جاہلیت کا نخوت اور عار ابھی مزاج میں ہے۔ حضور خاموش ہو رہے۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ :

" حضورؐ ! ابوسفیان ایک جاہ طلب آدمی ہیں ان کے ساتھ کچھ رعایت ہی کی جائے تو مناسب ہے "۔

حضورؐ نے وہیں مرّ الظہران میں یہ اعلان فرما دیا کہ :

" کل جو شخص مسجدِ حرام میں پناہ لے گا ۔ یا جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا۔ یا جو ہتھیار ڈال دے گا ۔ یا جو اپنے گھر میں گھس کر اپنا دروازہ بند کرلے گا اور ہم سے نہ لڑے گا۔ ان سب کو امان ہے "۔

یہ فرماکر آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا ان کو اس طرح واپس لے جاؤ کہ یہ مسلمانوں کی فوج کی پوری شان دیکھتے ہوئے جائیں، تو حضرت عباسؓ اسی طرح پوری فوج کی سیر کراتے ہوئے ان کو مکّہ کے قریب پہنچا کر واپس چلے گئے اور حضرت ابوسفیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سطوت ظاہری اور رفعت اخلاقی کی حسرت افزا یاد لئے ہوئے اپنے گھر پہنچے وہ اگرچہ اسلام نہیں لے آئے تھے مگر مائل بہ اسلام ضرور ہو چلے تھے (ایک روایت تو مرّ الظہران کے روداد کی یہ تھی لیکن اس روداد کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ) جب مرّ الظہران میں ابوسفیان صخر نے فوج کے مجاہدین کی شان دیکھی، پھر حضور کے سامنے پہنچے تو یہ دیکھا کہ سب مجاہدین حضورؐ کے ایسے عاشق ہیں کہ حضورؐ کے قریب پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں ۔ اس وقت حضور کا درجہ دیکھ کر ان کے دل میں کچھ حسد سا پیدا ہوا اور دل میں ارادہ کرنے لگے کہ " اچھا تو میں بھی ان کے مقابلہ کے لئے ایک بڑی فوج جمع کراؤں گا " بس ادھر ان کے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ حضورؐ نے اُن کے سینہ پر ہاتھ مارکر فرمایا " اور اگر تم ایسا کروگے تو یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ

تم کو بہت ذلیل کر دیں گے۔" حضرت ابوسفیان یہ معجزہ دیکھ کر کہ حضورؐ کو خطرۂ قلبی کی اطلاع ہو گئی چونک سے پڑے، ادھر حضرت رسالت پناہ کا دستِ رحمت جو (حضرت عمرؓ کے واقعہ کی طرح) ان کے سینہ سے مس ہو گیا تو یکایک حسد کا وہ شیطانی جذبہ دل سے دور ہو گیا اور آپ کے منہ سے بیساختہ استغفر اللہ واتوب الیہ نکل گیا اور کہنے لگے "خدا کی قسم میں نے یہ بات کسی کے سامنے اب تک نہیں کہی تھی بس اسی وقت یہ خیال دل میں آیا تھا کہ آپ کو خدا نے اس سے مطلع فرمایا، اس معجزہ پر مجھے آپ کے رسول برحق ہونے کا بھی پورا یقین ہو گیا۔" یہ اسلام کی طرف آپ کا چوتھا قدم تھا مگر اب بھی کچھ کسر باقی تھی۔ اپنی سپہ سالاری کا ایک آخری غرور پھر آپ کے دل میں گزرا کہ "نہ جانے یہ محمدؐ کس وجہ سے ہم پر غالب آ رہے ہیں"۔ ان کے دل میں یہ خطرہ گزر ہی رہا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا "خدائے واحد کی مدد سے غالب ہوں"۔ یہ سن کر ان کے دل و دماغ سے تمام شکوک و شبہات دور ہو گئے اور سپہ سالاری اور سیادت کا غرور رہا سہا جو قلب کا زنگ ہمیشہ کے لئے کافور ہو گیا اور آپ وہیں مرالظہران ہی میں فتح مکہ سے قبل کی رات ہی میں سچے دل سے پکار اٹھے کہ:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ" صلی اللہ علی نبینا وسلم (یہ دونوں روایتیں اصابہ میں ہیں)

(فائدہ) چونکہ سیدنا ابوسفیانؓ کی زندگی اسی سیادت و سپہ سالاری میں گزری تھی بلکہ انکی کئی پشتیں اسی سیادت و سرداری کی حالت اور اسی غرور میں گزری تھیں اسلئے سولہ برس تک حضورؐ سے برسرِ پیکار رہے اور اسی وجہ سے ہر آخری موقع پر بھی حسد اور مقابلہ کے خیالات ان کے دل میں آ رہے تھے مگر اب ان میں انکی سعادت ازلی اور دولت سرمدی (اسلام) کا وقت آ گیا تھا اسلئے یہ حالات پیش آئے اور جیسے ہی حضورؐ کا کیمیا اثر دست مبارک ان کے قلب اور سینہ سے مس ہوا سارا زنگ دور ہو گیا، وہ اب تک منصبِ رسالت کی رفعت و عظمت سے واقف نہیں تھے نہ وہ حضورؐ کی صحبت میں رہے تھے اس شب کو ان کو اخلاق نبوی کی بلندیوں کا بھی علم ہوا اور اپنے متعلق حضورؐ کے دو معجزے بھی دیکھے تو سچے دل سے اسلام لے آئے۔

بعد اسلام | بہرحال ۸ھ میں فتح مکہ سے ایک رات قبل مقام مرالظہران میں آپ بہ عمر ۷۱ سال ایمان لائے اور آپ کا ایمان اچھا اور سچا ثابت ہوا چنانچہ آپ کے کارنامے اسلام میں دیکھیے۔

(۱) حضورؐ نے مشرکین کی ایک مشہور دیوی منات کو گرانے اور توڑنے کا کام انھیں کے سپرد فرمایا۔ آپ کی بستی میں

گئے اور آپ نے اسے توڑ کر برباد کردیا، کسی کو ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ بُت توڑنے کا کام حضورؐ نے بہت ہی خاص خاص صحابہؓ سے لیا ہو، ان میں حضرت ابوسفیانؓ بھی ہیں (فائدہ) کفر و شرک سے انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ کفارِ عرب کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا بغیر بیوی کے کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے انھوں نے اللہ کے لفظ میں تائے تانیث لگا کر اللات ایک دیبی اور نعوذ باللہ اللہ کی بیوی تجویز کی، اسی طرح منّان کے لفظ میں ت لگا کر دوسری دیبی مناۃ تجویز کی اور عزیز کے لفظ میں ت لگا کر تیسری دیبی عزّیٰ بنا لی نعوذ باللہ۔

(۲) غزوۂ حنین میں حضرت صخرؓ نے حضورؐ کے ہمرکاب ہو کر جہاد کیا۔ اس جنگ میں حضورؐ نے آپ کی دلیری جانبازی سے خوش ہو کر ان کو مالِ غنیمت میں سے سَو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا۔

(۳) فتح طائف میں بھی آپ نے حضورؐ کے ہمرکاب ہو کر جہاد کیا کہ اچانک ایک تیر آپ کی ایک آنکھ میں آکر لگا اور آپ کی آنکھ جاتی رہی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا "ابوسفیان! کہو تو میں دعا کردوں اور تمہاری آنکھ اچھی ہو جائے لیکن اگر تم پسند کرو اور صبر کرو تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض تم کو جنت دیں گے"۔ آپ نے زبانِ رسولؐ سے جنت کی بشارت جو سُنی تو تکلیف کا احساس اسکے سامنے جاتا ہی رہا اور آپ نے عرض کیا "میں جنت چاہتا ہوں" آپ نے سوچا ہوگا کہ اگر حضورؐ کو دعا کرنا پسند ہوتا تو از خود دعا فرما دیتے مجھ سے نہ پوچھتے مگر جب مجھ سے پوچھ رہے ہیں تو یقیناً حضورؐ کو پسند یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں آنکھ جانے پر صبر کروں اور اسی میں میرے لئے خدا کی طرف سے مصلحت، خیریت اور رحمت معلوم ہوتی ہے۔

(۴) آپ عہدِ فاروقی میں ۱۳ھ میں جنگ یرموک میں اپنے بڑے بیٹے یزید کی ماتحتی میں جہاد کر رہے تھے جنگ سخت تھی، اسلامی فوج کچھ شکست ہو چلی تھی کہ یکایک ایک آواز خار اشگاف فضا میں گونجی، "اے نصرتِ خداوندی جلد آ" وہ آواز انھیں کی تھی جس سے مجاہدین کے دل از سرِ نو گرم ہو گئے، غرض آپ اسی طرح خدا کو یاد کرتے ہوئے دلیری سے لڑ رہے تھے کہ یکایک کسی شقی نے آپ کی اچھی آنکھ پر ایک پتھر مارا اور راہِ خدا میں آپ کی دوسری آنکھ بھی جاتی رہی ــــ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(۵) ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے آپ کو نجران کا گورنر بھی بنا دیا تھا۔ یہ روایت اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کیونکہ حضرت ابوسفیانؓ حکومت کی خاص صلاحیتیں رکھتے تھے بلکہ بنو امیہ کے افراد عام طور سے اس صلاحیت میں ممتاز ہوتے تھے، اسی لئے اکثر ان کو آپ ملکی ذمہ داریاں سپرد کرتے تھے اور اسی سنت کی پیروی میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے بھی ان کو

حکومتی مناصب دیئے

(۶) آپ نے حضورؐ سے چند احادیث بھی روایت کی ہیں جن کو آپ سے حضرت معاویہؓ اور علامت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

الغرض آپ نے ستانوے برس کی عمر پائی جس میں ۷۱ سال کفر میں اور ۲۶ سال اسلام میں گزارے اور عہد عثمانی میں ۳۳ھ کے اواخر یا ۳۴ھ کے اوائل میں آپ کا وصال ہوا، اور مدینہ شریف کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

چند منتخب کتابیں

دعوت اسلام :- تالیف پروفیسر آرنلڈ، ترجمہ محمد عنایت اللہ دہلوی۔ قیمت -/۹

شاہ ولی اللہ اور قرآن کا فلسفہ۔ مولانا عبید اللہ سندھی، مرتبہ محمد سرور صاحب قیمت ۳/۷۵

افریقہ ایک چیلنج :- از احمد عبداللہ المسدوسی۔ افریقہ کے ماضی حال اور مستقبل پر ایک غیر معمولی کتاب۔ قیمت ——— ۱۲/۰

سطعات ——— لمحات ——— ہمعات

۱/۵۰ ۲/۰ ۲/۰

عربی اور فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تین رسالوں کے جدید ایڈیشن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ قاسمی کی علمی خدمت کے ساتھ۔

مجموعہ وصایا اربعہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ۔ شاہ اہل اللہ، اور قاضی محمد ثناء اللہؒ کے بعض وصیت نامے نصیحت ناموں کا مجموعہ، مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری۔ قیمت ۳/۷۵

ملنے کا پتہ

کتب خانہ "الفرقان" کچہری روڈ۔ لکھنؤ